ب میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ مذاہب وادیان اور
ہ علیہم السلام کی ہدایات یا شعور وتجربہ میں یہ حقیقت اسی طرح آئی ہے۔ فلسفہ بھی اس کی تائید کرتا
یا نہیں اس سے ان کو کچھ بحث نہیں۔ گویا قدر اور محل قدر کا ایک ساتھ جمع ہونے کا مسئلہ اسلاف
صطلاح میں جسے اثبات وتحقق صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے فلسفیانہ اصطلاح میں محض
ہیے" کے انداز کا ہے۔ جس نے مذہب کے تجربات میں "ہے" کی صورت اختیار کر لی ہے
طرز بیان میں اتنا فرق تو رہنا ہی چاہیے کیونکہ فلسفہ اور مذہب میں آخر یہی "چاہیے" اور "ہے"
رق ہی تو ہے۔ جس نے ان دونوں کو دو الگ الگ دائروں میں منقسم کر رکھا ہے۔

صفات کے اس اثباتی پہلو پر جس کا ابھی ابھی ذکر ہوا ہے۔ جدید عقلیت پسندوں کا سب سے
ا اعتراض یہ ہے کہ اس سے خدا ایک "عظیم البشر" کے روپ میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ یا ایسی "فوق البشر"
ستی کی سطح پر آجاتا ہے جس میں بڑے پیمانہ سہی بشریت کے لوازم کی جھلک بہرحال نمایاں ہے۔ معتزلہ
مب صفات کا انکار کرتے تھے تو ان کے تحت الشعور میں بھی کچھ اس طرح کا نقشہ تھا اور کچھ اسی انداز
ے شکوک تھے جو ذہن وفکر کی سطح پر ابھرتے تھے۔ بظاہر شبہات کی یہ نوعیت بلاشبہ قوی معلوم
وتی ہے مگر کیا فی الواقع ان شبہات میں اتنا ہی وزن پایا جاتا ہے جتنا کہ سمجھا جاتا ہے؟ نہیں۔

صفات کی نفی کرنے والوں کو پہلے ہمارے اس سوال کا جواب دینا چاہیے کہ آخر اللہ تعالیٰ
ی صفات کو سمجھنے کے لیے انسان کے علاوہ اور کون پیمانہ فرض کیا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی
بھی نہیں کیونکہ حیات وشعور کی یہی وہ اونچی سے اونچی سطح تو ہے جو اب تک علم وادراک کی گرفت میں
ہ سکی ہے لہٰذا منطقی طور پر خدا کی صفات کو انسانی صفات ہی کی روشنی میں ایک حد تک سمجھا اور
مانا جا سکتا ہے۔ کسی دوسرے حوالے اور ذریعے سے نہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو علامہ ابن
تیمیہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ وہ تمام صفات کمال جو انسانوں میں پائی جاتی ہیں اللہ تعالےٰ
بطریق اولیٰ ان سے متصف ہونے کا استحقاق رکھتا ہے۔

علاوہ ازیں نفی صفات یا تجرید پر بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا تصور بالکل
غیر مفید یا لا اخلاقی (NON-MORAL) ہو کر رہ جاتا ہے یعنی ذہن وفکر کی ایک خاص سطح کے
لیے وہ چاہے موجب تسکین وطمانیت ہو تو ہو۔ عام انسانوں کے لیے اس قابل بہرحال نہیں کہ وہ اس
سے استمداد کر سکیں یا عملی طور پر اس کی ذات کو خیر وخوبی کا پیکر ومرکز ٹھہرا سکیں۔

(الف) ایک یہ کہ تبیین کا کیا مطلب ہے؟

(ب) دوسرے جب قرآن خود اپنے آپ کو مبیّن کہتا ہے تو رسول کس حیثیت سے مبیّن ہے؟

جہاں تک تبیین کے معنی کا تعلق ہے وہ کوئی پیچیدہ چیز نہیں۔ تبیین کے معنی ہیں واضح کرنا۔ یہ لفظ فعل لازم بھی ہے اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے واضح ہونا۔ ان آیات میں یہ متعدی ہے جس کے معنی ہیں واضح و آشکار کرنا۔ ظاہر ہے کہ واضح اسی چیز کو کیا جائے گا جو واضح نہ ہو۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو واضح نہیں ہیں اور ان کی وضاحت آں حضرت ؐ کے ذمے کی گئی ہے۔ اس عدم وضاحت کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

۱۔ وہ مجمل ہو اور اس کی تفصیل حضورؐ نے فرمائی ہو۔ مثلاً قرآن کا حکم ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کرو) یہ حکم مجمل ہے۔ اور اس کی تفصیل حضورؐ نے فرمائی کہ نماز اس طرح ادا کی جاتی ہے (صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ)

۲۔ وہ اصولی ہو اور اس کی فروع حضورؐ نے بتائی ہو۔ مثلاً: اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (زکوٰۃ ادا کرو) اس کی تمام تفصیلات (کہ کس مال کی کتنی مقدار میں کتنی اور کب زکوٰۃ دی جائے وغیرہ) آنحضرت ؐ نے بتائیں۔

۳۔ وہ عام ہو اور کسی خاص موقعے پر آنحضرت ؐ نے اسے منطبق کیا ہو۔ مثلاً خدا نے قتال کا حکم دیا اور آنحضرت نے کسی خاص موقع جنگ پر اسے عملاً منطبق فرمایا۔

۴۔ ایک عام لفظ ہو اور حضورؐ نے اس کی تعبیر فرمائی ہو۔ مثلاً کسی کو تحلیل و تحریم کا حقدار سمجھنا اتخاذ رب ہے۔

۵۔ عام حکم ہو اور آنحضرت ؐ نے اسے مشروط فرما دیا ہو۔ مثلاً فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا (چور کا ہاتھ کاٹ دو) حضورؐ نے اس کے لیے کچھ شرطیں رکھ دیں کہ اتنی مالیت کی چوری ہو اور ایسے حالات میں ہو وغیرہ۔

۶۔ قرآنی آیات پر قیاس کر کے ایک نیا حکم استنباط فرمایا ہو مثلاً بلا عذر روزہ توڑنے کے کفارے قرآن میں موجود ہیں۔ لیکن آنحضرت ؐ نے ظہار کے کفارے پر قیاس کر کے صوم رمضان کا کفارہ تحریر رقبہ، ساٹھ مسکینوں کا کھانا یا ساٹھ روزے مقرر فرمائے۔

۷۔ احکام بکھرے ہوئے ہوں (جیسا کہ قرآن میں ہیں) اور ان کو ایک خاص ترتیب و نظم کے ساتھ معاشرے میں پھیلایا ہو۔

غرض یہ ہے کہ دینی تعبیر و تفسیر (INTERPRETATION) اور معاشرے کی تشکیل کا خاص انداز جو حضورؐ نے اختیار فرمایا وہ کُل کا کُل "تبیین" کے دائرے میں آ جاتا ہے۔ مختصر لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت ؐ کی ایک اور پانچویں حیثیت بھی ہے اور وہ ہے مفسّرِ دین و مشکّلِ معاشرہ کی حیثیت۔

محمد جعفر پھلواروی

اطاعت رسولؐ کے حدود

(۲)

پانچویں حیثیت

جنوری کے ثقافت میں آپ نے آں حضرت کی چار حیثیتوں کا مطالعہ فرمایا ہے۔ وحی رسالت، امر امیر، قضائے قاضی اور رائے بشری۔ گزشتہ مضمون میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اول الذکر تین حیثیتیں ایسی ہیں جن کی اطاعت فرض اور عدم اطاعت کفر ہے۔ اور چوتھی حیثیت سے آنحضرتؐ کی اطاعت فرض نہیں۔

ان چار حیثیتوں کے علاوہ حضورؐ کی ایک اور حیثیت بھی ہے جسے سورۂ نحل میں دو بار بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے:

(۱) وانزلنا الیک الذکر لتبین للنّاس ما نزّل الیھم ولعلّھم یتفکّرون	ہم نے تیری طرف ذکر نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے لیے اس چیز کی وضاحت کرے جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔ امید ہے کہ وہ تفکر کریں۔ (۱۶:۴۴)
(۲) وما انزلنا علیک الکتاب الّا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ھدیً ورحمۃً لقومٍ یومنون	ہم نے تیری طرف کتاب نازل ہی اس غرض سے کی ہے تو ان کے لیے اس چیز کی وضاحت کرے جس میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں اور وہ اہل ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔

ان دونوں آیات میں آنحضرتؐ کو "مُبیّن" بنایا گیا ہے یعنی تبیین کرنے والا۔ تبیین کے معنی ہیں کسی چیز کو کھول کھول کر وضاحت سے بتانا۔ دونوں آیتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن تو اللہ نے رسول پر انسانوں کے لیے اتارا لیکن اس کی تبیین آنحضرتؐ کے سپرد کی گئی ہے۔ اب یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں:

ما انزل اللہ تو وہ بھی نہیں لیکن ان کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح وحی رسالت (ما انزل اللہ) کی۔ یعنی اس کی اطاعت ویسی ہی واجب ہے جیسی "رسول" کی حیثیت سے اطاعت واجب ہے۔ اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ مفسرِ دین یا مشکّلِ معاشرہ کی حیثیت سے آنحضرتؐ کی اطاعت بھی عین ایسی ہی اطاعت ہے جیسی اطاعت بحیثیت رسول ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے — جیسا کہ ہم گزشتہ مضمون میں بھی واضح کر چکے ہیں — کہ عصری تقاضوں کے مطابق آنحضرتؐ کے فرامین میں رد و بدل کی گنجائش موجود ہے اور یہ گنجائش خود رسولؐ ہی نے رکھی ہے۔ اس کی تشریح ہم اپنے مختلف مضامین میں کر چکے ہیں۔ اور اس کی بیسوں مثالیں بھی دے چکے ہیں۔ یہاں صرف چند سُن لیجیے:

۱۔ وحی رسالت کی حیثیت سے یعنی از روئے قرآن آنحضرت مولفۃ القلوب کو صدقات دیتے تھے۔ لیکن سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں سیدنا عمرؓ کی رائے سے یہ عطیہ بند کر دیا گیا۔

۲۔ بحیثیت قاضی کے آنحضرتؐ کا فیصلہ تھا کہ یک وقت تین طلاقیں رجعی ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اسے مغلّظہ قرار دیا۔

۳۔ بحیثیت امیر کے آنحضرتؐ نے خیبر کی مفتوحہ زمین مجاہدوں میں تقسیم فرمائی تھی لیکن جناب عمرؓ نے اپنے عہد میں مفتوحہ زمینوں کی تقسیم بند کر دی۔

یہاں آگے چلنے سے پہلے ایک ضروری بات سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار رسول اللہؐ کو بھی نہیں چہ جائیکہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کو ہو۔ پھر سوال یہ ہے کہ مولفۃ القلوب کو صدقہ نہ دینے کا فیصلہ حضرات شیخین نے کیوں کیا اور لوگ کیوں اب تک اسے صحیح سمجھتے چلے جا رہے ہیں؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے اور اکثر لوگوں نے اس معاملے میں مبتلائے شبہات پایا ہے حالانکہ بات صاف ہے کہ قرآن کا کوئی حکم بھی منسوخ نہیں۔ نہ کسی کو منسوخ کرنے کا کوئی حق پہنچتا ہے۔ ہاں امیر کو آرڈی ننس یعنی وقتی قانون، نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ آرڈی ننس کا مطلب یہ ہے کہ اصل حکم اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اور امیر صرف یہ کرتا ہے کہ مصالح امت کے لیے وقتی طور پر اسے ملتوی کر دیتا ہے۔ جب ضرورت التواختم ہو جاتی ہے تو وہ حکم لوٹ کر اپنے مقام پر آجاتا ہے یوں سمجھیے کہ گوشت کھانا حلال ہے لیکن ایک طبیب کسی مریض سے (یا کسی وبائی موسم میں سب سے) گوشت چھڑوا دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس نے ہر ایک آدمی پر ہمیشہ کے لیے گوشت

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس حیثیت سے بھی حضورؐ کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک اس حیثیت سے بھی آنحضرتؐ کی اطاعت ویسی ہی ضروری ہے جیسی تین اوّل الذکر حیثیت کی یعنی وحی رسالت، امر امیر اور قضائے قاضی کی۔ اس لیے کہ اگر حضورؐ کی حیثیت فقط اتنی ہی ہوتی کہ قرآنی احکام پڑھ کر سنا دیں (یتلوا علیھم آیٰتہٖ) اور صرف پڑھ کر سنا دینے سے حضورؐ کا کام ختم ہو جاتا تو نعوذ باللہ حضورؐ کا مقام بس اتنا ہی بھر رہ جاتا ہے کہ جس طرح ایک حافظ قرآن تراویح میں پورا قرآن سنا کر اپنے گھر چلا جاتا ہے اسی طرح حضورؐ بھی قرآن سنا کر اپنا فرض پورا کر گئے۔ حضورؐ کا یہ منصب ہرگز نہ تھا۔ حضورؐ کا قرآن پڑھ کر سنا نا پورے کام کا ایک گوشہ تھا۔ اور اصل کام یہ تھا کہ اس ہدایت آسمانی کے مطابق ایک متحرک معاشرہ قائم فرمائیں اور اس مقصد کے لیے آنحضرتؐ کو وہ سارے کام کرنے پڑے جن کا ذکر اوپر نمبر وار ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر دین اور تشکیل معاشرہ کا یہ انداز حضورؐ کے کس منصب سے تعلق رکھتا ہے؟ ہمارے فہم کے مطابق یہ ایک ایسی حیثیت ہے جو ان چاروں —— وحی رسالت، امر امیر، قضائے قاضی اور مشورۂ بشری —— سے الگ بھی ہے اور ان چاروں کو اپنے اندر سموئے ہوئے بھی ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آنحضرتؐ کی اصل حیثیت یہی ہے اور مذکورۂ بالا تمام حیثیتیں اسی سمٹی ہوئی حیثیت کا پھیلاؤ ہیں۔ یہی "تبیین" کا صحیح مفہوم ہے اور یہی اصلی مقام رسالت ہے۔

اوپر کی تفصیلات کو نمبر وار دیکھ جائیے۔ حضورؐ نے اصول کی فروع بیان کی ہوں، اجمال کی تفصیل کی ہو، عام کو خاص کیا ہو، الفاظ کی تفسیر کی ہو، قرآن سے استنباط کیا ہو، یا بکھرے ہوئے احکام کو خاص ترتیب سے نافذ کیا ہو۔ یہ سب کچھ واجب الاتباع ہے۔ اور ان سب کی اطاعت منصب رسالت کی اطاعت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں کسی موقعے پر بشری رائیں بھی ہوں لیکن ان کی عمومی حیثیت وہی ہے جو وحی رسالت، امر امیر یا قضائے قاضی کی ہے۔ یہ درست ہے کہ ما انزل اللہ صرف قرآن ہے (یا دوسری آسمانی کتابیں)، لیکن سوال صرف یہ ہے کہ آیا مفسر دین اور مشکل معاشرہ ہونے کی حیثیت سے حضورؐ کی اطاعت ویسی ہی واجب ہے یا نہیں جیسی وحی رسالت، امر امیر یا قضائے قاضی کی ہے؟ ہمارے نزدیک اس کا جواب اثبات میں ہے۔ حضورؐ نے امیر کی حیثیت سے یا قاضی کی حیثیت سے جو کچھ فرمایا

ایک ضروری بات اور بھی یاد رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اس حیثیت (مفسّرِ دین و مشکّلِ معاشرہ) سے حضورؐ کے جو اقوال و افعال ہیں وہ احادیث و تاریخ میں موجود ہیں اور ہم بہرحال اسی ذخیرے کو سامنے رکھنے پر مجبور ہیں۔ لیکن ان تمام ذخائر کو شروع سے آخر تک یکساں حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ یہ کوئی ضرور نہیں کہ جس مؤلف نے اپنی تالیف میں کسی روایت کو صحیح سمجھ کر درج کیا وہ فی الواقع بھی صحیح ہی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا انتساب حضورؐ کی طرف صحیح نہ ہو اور مؤلف نے پوری نیک نیتی کے ساتھ اسے درست سمجھ کر درج کر لیا ہو۔ روایت و درایت کی پوری چھان بین کے باوجود بھی بعض پہلوؤں کا نظروں سے اوجھل رہ جانا عین تقاضائے بشری ہے۔ اس قسم کے تسامحات سے ان مؤلفین کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ عنداللہ ماجور ہیں لیکن کسی آئندہ دور میں اگر کوئی شخص ان تسامحات کی نشاندہی کرے اور دلائل سے یہ واضح کر دے کہ فلاں فلاں جن روایات کو انہوں نے صحیح سمجھ کر درج کیا ہے ان کا انتساب آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس کی طرف صحیح نہیں تو ایسے تسامحات کی نشاندہی کرنے والا بھی ان مؤلفین ہی کی طرح ماجور ہوگا۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ کسی دوسرے دور میں ان نشاندہی کرنے والوں کی غلطی کو واضح کرنے والے بھی پیدا ہوں تو وہ بھی ماجور ہوں گے۔ یہ سلسلۂ نقد و جرح کوئی ختم ہونے والی چیز نہیں۔ نیز اسی طرح مصالحِ اُمّت کی نوعیتیں بھی ختم ہونے والی شے نہیں۔ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور ان کا لحاظ رکھ کر نئے نئے قوانین یا آرڈی ننس نافذ ہوتے اور منسوخ ہوتے رہیں گے۔ اس طرح کی جزئی ترمیمات یا ردّ و بدل ایک متحرک شریعت کے منشا کے عین مطابق ہے اور صدیوں پرانی باتوں سے چمٹے رہنا جمود ہے جس کا زمانے نے نہ کبھی ساتھ دیا ہے نہ دے گا۔

بحمداللہ ہم اپنے متعلق ابدی صحت و صواب کے کبھی مدعی نہیں رہے ہیں۔ ہمارے بشری فہم میں ہزار غلطیاں ہو سکتی ہیں لیکن نیک نیتی سے ہم ہمیشہ دین کے بعض گوشوں کی تعبیریں (INTERPRETATIONS) پیش کرتے رہے ہیں۔ ہمارے ادارے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اپنے دور کے عصری تقاضوں کے مطابق فقہ نو کی طرح ڈالی جائے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہماری تجاویز کو زمانہ آہستہ آہستہ قبول کرتا جاتا ہے۔ ہم نے آج سے چھ سات سال پہلے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اب رویتِ ہلال کمیٹی کی ضرورت نہیں کیونکہ علمِ فلکیات اب اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ بڑی آسانی سے طلوعِ ہلال کی پیش گوئی کی جا سکتی

کو حرام کر دیا ہے بلکہ ایک وقتی ضرورت و مصلحت کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ جب وہ مصلحت نہ رہے گی تو گوشت کی اجازت و اباحت اپنے مقام پر لوٹ آئے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ سیدنا عمرؓ نے مولفۃ القلوب کو جو صدقات دینا بند کر دیا اسے ہمارے فقہا نے ایک ابدی حیثیت دے دی۔ گویا سیدنا عمرؓ ناسخِ قرآن قرار پا گئے۔ اسی طرح جناب عمرؓ ناسخِ قضایائے نبویؐ بھی قرار دیے گئے کیونکہ فیصلۂ رسولؐ کے خلاف اپنا فیصلہ دے دیا۔ حالانکہ یہ آپؓ کا صرف آرڈی ننس تھا۔ جب مصلحت کا تقاضا ہوگا حضرت عمرؓ کا آرڈی ننس ختم ہو جائے گا۔ اتنی موٹی سی بات سمجھنے میں تو کسی کو دشواری نہیں ہونی چاہیے کہ فرمانِ الٰہی یا فرمانِ رسولؐ کو منسوخ کرنے کا جتنا حق جناب عمرؓ کو ہے اس سے کہیں زیادہ ہمیں حضرت عمرؓ کا فیصلہ منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے اگر مصلحتِ وقت کا تقاضا ہو۔ آپ اس پر تو بحث کر سکتے ہیں کہ کسی تبدیلِ حکم کی جو مصلحت بتائی جاتی ہے وہ درست نہیں یا اس کا ابھی وقت نہیں آیا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہزار عصری تقاضے ہوں مگر حکم نہیں بدلا جا سکتا۔

ایک اسلامی حکومت اس طرح کے آرڈی ننس نافذ کرنے کے کامل اختیارات رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ گوشت حلال ہے لیکن حکومتِ اسلامیہ جانوروں کی کمی دیکھ کر یہ آرڈی ننس نافذ کر سکتی ہے کہ ہفتے میں اتنے دن ذبیحہ نہ ہوں۔ اسی طرح حکومت اسلامیہ تعددِ ازدواج پہ پابندی لگا سکتی ہے اگر وہ یہ محسوس کرے کہ تعدد ازدواج کی قرآنی شرائط پوری نہیں کی جاتیں۔ یوں ہی اسے یہ اختیارات بھی حاصل ہیں کہ بڑھتی ہوئی آبادی پر کنٹرول قائم کرنے کے لیے آرڈی ننس نافذ کر دے یا مناکحت کے لیے زن و مرد کو خاص عمروں کا پابند کر دے۔ اس قسم کے سارے آرڈی ننس وقتی ہوں گے خواہ ان کی میعاد مختصر ہو یا طویل۔ جب مصلحت نئی کروٹ لے گی تو یہ آرڈی ننس بھی واپس لے لیے جائیں گے اور ان کے متعلق مستقل اقدار والے احکام اپنی جگہ لوٹ آئیں گے۔ یا کوئی اور آرڈی ننس نافذ کر دیا جائے گا جو گزشتہ آرڈی ننس کے بالکل خلاف ہو۔ ان صاف و صریح باتوں کو دیا تو جان بوجھ کر یا ناواقفیت کی وجہ سے، بعض حضرات "مداخلت فی الدین اور شریعتِ اسلامیہ کی تبدیلی" اور نہ جانے کیا کیا قرار دیتے اور اس طرح اپنے ضعفِ استدلال کے خلا کو پر کرنے کی سعی فرماتے رہتے ہیں۔

غرض وہ فرامینِ رسولؐ بھی واجب الاطاعت ہیں جو مفسرِ دین یا مشکلِ معاشرہ کی حیثیت سے حضورؐ نے دیے ہیں لیکن عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بھی خود رسولؐ ہی کے فرمان کی اطاعت ہے اور اس کی صحت کے ثبوت میں خلفائے راشدینؓ کے طرزِ عمل سے بہتر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

اب رہا دوسرا سوال کہ جب قرآن خود اپنے آپ کو مبیّن کہتا ہے (تبیاناً لکل شئی) تو رسول ؐ کے مبیّن ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ ایسا ہی سوال ہے کہ: قرآن سراپا حکمت ہے اور اسے "ذکرِ حکیم" کہا گیا ہے تو قرآن سے الگ کون سی حکمت ہے جسے قرآن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (یعلمھم الکتاب والحکمۃ) اگر کوئی حکمت ایسی بھی ہے جو قرآن سے الگ ہے اور رسول ؐ اس کا معلّم ہے تو "تبیین" بھی ایسی ہو سکتی ہے جو قرآنی تبیین سے الگ حیثیت رکھتی ہو۔ قرآن کے احکام اپنی مخصوص ترتیب کے ساتھ تمام احکام کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ بظاہر اس کے احکام بکھرے ہوئے ہیں۔ ان سب کو معاشرے کے اندر ایک خاص نظم وضبط کے ساتھ مربوط شکل میں امت کے اندر نافذ کرنا بھی ایک تبیین ہی ہے جیساکہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فرائض رسالت بھی ہیں جن کا ہم آغاز ہی میں نمبروار ذکر کر چکے ہیں۔ یہ سب تبیین کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ؐ کے سپرد کی گئی تھیں۔ یہ تبیین قرآنی تبیین سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن اپنے آپ کو "تفصیل" بھی کہتا ہے (تفصیل کُلِّ شَئٍ) اس کے باوجود آپ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ بعض چیزیں معاشرے کے لیے مجمل تھیں اور آنحضرت ؐ نے اس کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ یہ بھی "قرآنی تفصیل" سے ایک جداگانہ تفصیل ہے اور تبیین میں یہ بھی داخل ہے۔ اگر فی الواقع قرآن خود اپنا آپ کلیتاً مبیّن ہے تو آخر اتنی تفسیریں لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ پس اگر ہم آپ سب تفسیر لکھنے کا حق رکھتے ہیں تو آنحضرت ؐ کو سب سے بڑا مفسرِ قرآن ماننے سے کیا چیز روک سکتی ہے؟ اور کیوں اس کو تبیین نہ سمجھا جائے؟ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں تفسیر کا انتساب آں حضور ؐ کی طرف فلاں فلاں وجوہ سے صحیح نہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آنحضرت ؐ مفسرِ قرآن نہ تھے (نعوذ باللہ من ذلک) جس کے سپرد تعلیم کتاب اور تبیین کتاب کا کام کیا گیا ہو اس سے بڑا مفسرِ قرآن اور کون ہو سکتا ہے؟ پس آنحضرت ؐ کی تبیین کو تسلیم کرنا عین فریضۂ رسالت ہی کو تسلیم کرنا ہے۔